تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ
(القرآن)

رجم

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی

رجم

★ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہ

رجم سنگسار کرنے کو کہتے ہیں۔ اسلامی سزاؤں میں یہ سب سے سخت سزا ہے جو بدکاری جیسے گھناؤنے جرم پر دی جاتی ہے، اس سزا کو ثابت کرنے کے لئے چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اگر چار مرد گواہی نہ دے سکیں یا ان کی گواہی میں تضاد یا تعارض ہو تو گواہ حد قذف (تہمت لگانے کی سزا) سے بچ نہ سکیں گے۔ شریعت مطہرہ کا اس سے مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ اشاعتِ فاحشہ سے پاک ہو اس لئے بدکاری جیسا گناہ اور اس کے چرچے کو اسلامی معاشرہ سے نیست و نابود کرنا مقصود ہے۔ موجودہ دور بدکاری اور اس کے چرچے سے پاک معاشرہ کا تصور نہیں کر سکتا کیونکہ دو سو سال سے جو نظام زندگی چل رہا ہے اس میں شعوری یا غیر شعوری طور پر ڈارون کا نظریۂ ارتقاء کارفرما ہے۔ ڈارون کا نظریہ ارتقاء اگرچہ اب عقلی و استدلالی طور پر اہل علم و تحقیق کے نزدیک فرسودہ ہو چکا ہے لیکن اس میکانکی نظریہ کے اثراتِ بد نے دنیا کے نظریہائے زندگی کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔ نظریۂ ارتقاء کا ماحصل یہ ہے کہ انسان اپنی تخلیق کے لحاظ سے جانور ہے اس لئے یہ دُم بریدہ بندر ہر قسم کی خیر و سعادت، روحانیت، اخلاقِ فاضلہ، رافت و رحمت، محبت و سوز و گداز سے خالی اور تہی داماں ہے۔ اس کو نہ کسی ضابطۂ اخلاق کی ضرورت ہے نہ ہدایت و موعظت کی۔ اس کو تو صرف زندہ رہنے اور صرف اس دنیائے دوں کی زندگی گذارنے کے لئے چند خود ساختہ قوانین کی ضرورت ہے جن کا منتہا یہ ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ اب یہ قوانین بنا رہی ہے کہ عمل قوم لوط کوئی تعزیری جرم نہیں ہے اور جس طرح ایک عورت و مرد کو ایک ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کر رہنے کی اجازت ہے اسی طرح دو مردوں کو بھی باہمی آزادانہ شہوت رانی کی اجازت ہے اور ان کو میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے اور اس میکانکی معاشرہ میں اپنا مقام حاصل کرنے کی اجازت ہے۔ اسی

نظریہ ارتقاء کی کوکھ سے کیمونزم و سوشلزم نکلے جس میں انسان کو صرف "حیوان آکل" قرار دیا گیا، فرد کی آزادی کا گلا گھونٹا گیا، جبر و استبداد کے تمام ذرائع استعمال کر کے اسٹیٹ کے نام پر، لینن و مارکس کی آبرو کی حفاظت کے لئے سب کچھ کرنے کی اجازت ہے۔ بخارا و سمرقند و تاشقند کی داستانِ پارینہ اب افغانستان جیسے اسلامی ملک میں دہرائی جارہی ہے۔ اسی نظریۂ ارتقاء نے کمزور قوموں پر طاقتور قوموں کے تسلط کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار دیا، جنوبی افریقہ اور اسرائیل کی نسل پرست حکومتوں کے پردہ میں یہی رُوح کارفرما ہے۔ طب جیسے خالص انسانی علم پر بھی یہی نظریہ سایہ فگن ہے اسی لئے انسان کو "جسد بلا روح" سمجھ کر ادویہ ایجاد کی گئیں جن کے ہولناک نتائج سرطان اور امراض قلب کی صورت میں رونما ہو رہے ہیں۔

قارئین شاید یہ بات دلچسپی سے سُنیں کہ پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے رجم کو جو غیر اسلامی سزا قرار دیا ہے وہ منکرینِ حدیث کے امامِ ضلال غلام احمد پرویز سے متاثر ہو کر فیصلہ دیا ہے۔ غلام احمد پرویز نظریۂ ارتقاء کا سب سے بڑا داعی اور مبلغ ہے، غلام احمد پرویز رقم طراز ہے:

"یہ سوال کہ دنیا میں سب سے پہلا انسان کسطرح وجود میں آگیا ذہنِ انسانی کے لئے وجہ ہزار حیرت و استعجاب رہا ہے چنانچہ ان مذاہب میں جن میں قوم پرستی نے حقائق کی جگہ لے رکھی ہے اس عُقدے کے حل میں عجیب و غریب افسانہ طرازیوں سے کام لیا گیا ہے لیکن قرآن کریم نے اس کے متعلق جو کچھ بتایا ہے وہ ٹھیک ٹھیک وہی ہے جس کی طرف علم و بصیرت کے انکشافات راہ نمائی کئے جا رہے ہیں، سائنس کی رُو سے خاک کے ذرّے مختلف ارتقائی منازل طے کر کے قرنہا قرن کے بعد انسانی صورت میں متشکل ہو گئے یعنی سب سے پہلے کوئی ایک فرد صورتِ انسانی میں جلوہ گر نہیں ہوا بلکہ ایک نوع وجود پذیر ہوئی ان متنوع مراحل کی تفصیل قرآن کریم کی آیاتِ جلیلہ میں عجیب انداز میں سمٹی ہوئی ہے"۔[1]

اس لئے اس شخص نے حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کے

---

[1] ابلیس و آدم از پرویز صفحہ ۶۳ و ۶۴

وجودِ شخصی کا سرے سے انکار کیا ہے چنانچہ کہتا ہے :

" ہمارے ہاں عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ وہ آدم جس کے نکلنے کا قصہ قرآن کے مختلف مقامات میں آیا ہے نبی ہے قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی قرآن کریم نے مختلف مقامات پر قصہ آدم کی جو تفاصیل بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سے نکلنے والا کوئی خاص فرد نہیں تھا بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا بالفاظ دیگر قصہ آدم کسی خاص فرد یا جوڑے کا قصہ نہیں ہے بلکہ خود آدمی کی داستان ہے جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے اس داستان کا آغاز انسان کی اس حالت سے ہوتا ہے جب اس نے قدیم انفرادی زندگی کی جگہ پہلے پہل تمدنی زندگی شروع کی ہے[1]"

——— نظریۂ ارتقاء اور کمیونزم دونوں یہودی ذہن کے پیداوار ہیں اس لئے تقریباً لازم و ملزوم ہیں اس لئے اس شخص نے کمیونزم و سوشلزم کو ثابت کرنے کے لئے "نظام ربوبیت" کے نام اور عنوان سے اسلامی کمیونزم کی داغ بیل ڈالی جس کی ساری فکر، فکرِ مستعار ہے اور اس کے لئے اسے بہت سے بلکہ سب کے سب حقائق شرعیہ کا انکار کرنا پڑا۔ حدیث و سنت نبویہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ چونکہ قدم قدم پر اس نفاقِ اعتقاد و عمل سے رکتی تھی اس لئے عجمی سازش کہہ کر اُسے دریا برد کرنے کا (العیاذ باللہ تعالیٰ العظیم) مشورہ دیا گیا۔ دین کے بہت سے منصوص احکام مثلاً توریث، زکوٰۃ وغیرہ اس سے متصادم ہے اس لئے ایک نیا فلسفہ ایجاد کیا گیا یعنی اسلام مقدس و مطہر کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ایک حصہ کو عارضی و عبوری کہا گیا دوسرے حصہ کو دائمی کہا گیا اس فلسفہ حیات کے عجیب وغریب برگ و بار ہیں خود ان صاحب سے سننے کے لائق ہے، سنئے اور سر دھنئے :

" اب رہا یہ سوال کہ اگر اسلام میں ذاتی ملکیت نہیں تو پھر قرآن میں وراثت وغیرہ کے احکام کس لئے دئے گئے ہیں سو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن انسانی معاشرہ کو اپنے متعین کردہ پروگرام کی آخری منزل تک آہستہ آہستہ بتدریج پہنچاتا ہے

---

[1] لغات القرآن از غلام احمد پرویز ج ۱ ص ۲۱۴

اس لئے وہ جہاں اس پروگرام کی آخری منزل کے متعلق اصول و احکام متعین کرتا ہے عبوری دور کیلئے ساتھ کے ساتھ راہنمائی دیا چلا جاتا ہے، وراثت، قرضہ، لین دین صدقہ و خیرات سے متعلق احکام اسی عبوری دور سے متعلق ہیں جن میں سے معاشرہ گذر کر انتہائی منزل تک پہنچتا ہے"[1]

" اس نظام کے قیام کے بعد کوئی مفلس اور محتاج باقی نہیں رہ سکتا لہٰذا مفلسوں اور محتاجوں کے متعلق اس قسم کے احکام صرف عبوری دور سے متعلق ہیں"[2]

اس کے نزدیک کمیونزم اور نظام ربوبیت میں صرف " جذبۂ محرکہ " کا فرق ہے یعنی کمیونزم میں جذبۂ محرکہ پرولتاری اور رجعت پسندانہ ذہنیت کا ردِ عمل ہوتا ہے جبکہ نظام ربوبیت میں جذبۂ محرکہ خدا و رسول کی ذات ہے۔ البتہ خدا و رسول کی تعبیر پرویز کے یہاں دلچسپ ہے کبھی ان دونوں سے مراد " مرکزِ ملت" لیتا ہے کبھی اس کے یہاں یہ افسانوی رنگ آمیزیاں ملتی ہیں:

" چونکہ خدا عبارت ہے ان صفات عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لئے قوانین خداوندی کی اطاعت اور حقیقت انسان کی اپنی فطرت عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے"[3]

پھر اس شخص کے یہاں جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اسلام کے تقریباً بہت سے حقائق کا انکار ہے ان کے نزدیک آخرت سے مراد مستقبل، جنت و جہنم سے مراد انسانی ذات کی کیفیات، ملائکہ سے مراد نفسیاتی محرکات، برگزیدہ فرشتہ جبریل سے مراد انکشاف حقیقت کی روشنی ہے۔ علاوہ ازیں یہ شخص جدید ترین فقہ کا بانی ہے اس کے یہاں وقف، شفعہ، ایصال ثواب، تلاوت قرآن پاک سب بے معنی چیزیں ہیں۔ ان صاحب کے نزدیک معاوضہ صرف محنت کا ہے سرمایہ کا نہیں[4] یہ ہے وہ اسلام

---

[1] نظام ربوبیت از پرویز تعارف ص ۲۵ [2] سلیم کے نام دوسرا خط ص ۲۴

[3] معارف القرآن ص ۴۲۰ ج ۴ [4] قرآنی فیصلے ص ۴۹ ج ۳

پرویزی فکر کی صدائے بازگشت سے ایک صاحب بھی متاثر ہیں وہ بھی قرآن کریم کے احکام منصوصہ کو دو حصوں پر تقسیم کرتے ہیں ایک حصہ ان کے نزدیک عبوری و عارضی ہے جبکہ دوسرا حصہ ان کے نزدیک دائمی و ابدی ہے

(باقی آئندہ صفحہ پر)

ضلال جس کی تقلید میں ہمارے جج صاحبان نے رجم کا انکار کیا ہے اور اس کو حدود کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رجم ایک ایسا اتفاقی مسئلہ ہے جس سے اسلامی شریعت میں خوارج کے علاوہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسی طرح ہمارے محترم دوست کے یہاں معاوضہ صرف محنت کا ہے، سرمایہ کا نہیں ہے، اسی لئے مزارعت، مضاربت، بلکہ مکانات، دکانوں کا کرایہ بھی ناجائز ہے۔ پرویز صاحب سے تو کچھ کہنا سننا بے کار ہے کیونکہ وہ حدیث و فقہ کے تمام سرمایہ کو حرف غلط کی طرح مٹانے کے قائل ہیں اور ان کی ساری فکر، فکرِ مستعار ہے، پرویز صاحب منکرین حدیث کی آخری کڑی ہیں، ہندوستان میں انکارِ حدیث کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں۔ سرسید، مولوی چراغ علی، عبداللہ چکڑالوی، حافظ اسلم مشہور منکرین حدیث ہیں پرویز صاحب نے ان سب سے فائدہ اٹھایا ان کے افکار و آراء سے اپنے "مسلک خاص" کی آبیاری کی، پھر اس پر کمیونزم و سوشلزم کی قلم لگا کر افسانوی زبان و رنگ آمیزیوں سے اسے اجاگر کیا یورپ کے بہت سے نظریات جو وہاں بھی اب فرسودہ ہو چکے ہیں ان کے یہاں بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں جس طرح سرسید نے اپنے زمانہ کے بعض یورپی نظریات سے مرعوب ہو کر بہت سے شرعی حقائق کا انکار کیا تھا لیکن جدید تحقیق نے ان نظریات کو باطل کر دیا۔ اسی طرح پرویز صاحب نے اپنے زمانہ کے بعض نظریات کو جوں کا توں قبول کر لیا اب نظریات بدل جانے سے بیچارے پریشان ہیں۔ پرویز صاحب کی کتاب "انسان نے کیا سوچا" ان کے فکر کی اساس ہے، لیکن ہمارے محترم دوست تو عالم ہیں، حدیث و فقہ سے شغف بھی رکھتے ہیں اصول فقہ بھی کسی قدر مطالعہ کر چکے ہیں۔ ان سے گذارش ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت اس کے بعد خلفائے راشدین کے عہد خیر میں جب عبوری و عارضی احکام جاری رہے تو دائمی و ابدی احکام کا دور کب آئے گا

کیا جب سُرخ سورج طلوع ہوگا، کیا برک کارمل اور برزنیف کے ناپاک مشن سے دین متین کی تکمیل ہوگی۔ ؟؟؟

اسی طرح معاوضہ محنت کا ہوتا ہے سرمایہ کا نہیں، اشتراکی نظریہ نہیں؟ چلئے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ مزارعت میں اختلاف ہے اگرچہ اس کے بارے میں حنفی فقہاء کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، امام بخاری

(باقی آئندہ صفحہ پر)

کسی نے انکار نہیں کیا، امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ نے کبھی سرِ مُو اس سے انحراف نہیں کیا، تعامل و توارث نے اس کے حد ہونے اور اسلامی سزا ہونے پر ہمیشہ مُہر تصدیق ثبت کی، اسلامی فرقوں میں سے شیعہ و معتزلہ نے بھی اس سے انکار نہیں کیا صرف خوارج نے اس سے انکار کیا۔
ابن رُشد القرطبی لکھتے ہیں:

فاما الثیب الاحرار المحصنون	آزاد شادی شدہ محصن کے متعلق سارے
فان المسلمین اجمعوا علی	مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ان کی سزا رجم

نے اپنی صحیح میں امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں جواز مزارعت پر صحابہ و تابعین کے عمل و توارث کا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے، البتہ مضاربت میں تو ائمہ کا اجماع و اتفاق ہے بلکہ حافظ ابن قیم نے "ھدی" میں مضاربت کے جواز و مشروعیت پر بڑا طویل تبصرہ کیا ہے اُس میں یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس مضاربت کی، زمانہ بعثت سے قبل حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا مال بطور مضاربت لیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ نبی معصوم اور منتخب، برگزیدہ ہوتا ہے اس سے بعثت سے قبل بھی کوئی ایسا کام نہیں کرایا جاتا جو آگے چل کر نا جائز ہونے والا ہو اس کے علاوہ اُس نے بعض کبار صحابہ کے نام شمار کرائے ہیں جو مضاربت کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ صحابہ و تابعین کا سرمایہ سے معاوضہ حاصل کرنا ثابت ہے۔ حدیث کی کتابوں میں استغلال العبیر کا تذکرہ آتا ہے۔ "الخراج بالضمان" والی حدیث کے ذیل میں جامع ترمذی میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے غلام خریدا، غلام مشتری کے ضمان میں آگیا مشتری نے اس سے کرایہ حاصل کیا، بعد میں مشتری عیب پر مطلع ہوا اور غلام بائع کو واپس کر دیا البتہ حاصل شدہ کرایہ واپس نہیں کرے گا کیونکہ یہ اس نے اس زمانہ میں حاصل کیا جب وہ مشتری کی ضمان میں تھا اور یہ ہی تفسیر ہے حدیث رسول الخراج بالضمان کی۔
اس کے علاوہ صحیح بخاری میں حضرت ابن کے متعلق مذکور ہے، ان کے پاس تین غلام تھے جن میں سے دو سے وہ کرایہ وصول کرتے تھے اور ایک ان کی اور ان کے گھر والوں کی خدمت کرتا تھا پھر۔
موطا امام مالک اور مدونۃ الکبریٰ میں باب استغلال الاراضی والدور والحوانیت کے مستقل ابواب ملتے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ بے معنیٰ ہے یا عارضی دور کے متعلق ہے۔ ؟؟

ان حدهم الرجم الا فرقة	ہے سوائے خواہشات کے بندے ایک
من اهل الاهواء فانهم رأوا	قلیل جماعت کے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ
انّ حدّ كل زانٍ الجلد وانما	ہر زانی کی سزا کوڑے لگانا ہے جمہور
صار الجمهور للرجم لثبوت	نے رجم کو اس لئے اختیار کیا کیونکہ رجم
احاديث الرجم فخصصوا	کی احادیث ثبوت کے درجہ کو پہنچ چکی
الكتاب بالسنة اعنى قوله	ہیں ان حضرات نے کتاب یعنی آیت
تعالى اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي الآيه[1]	کریمہ الزانیۃ والزانی کی حدیث
	سے تخصیص کر لی ۔"

اور شیخ کمال ابن الہمام فتح القدیر میں تحریر فرماتے ہیں :-

عليه اجماع الصحابة ومن	" رجم پر صحابہ کرامؓ اور علماء کا اجماع
تقدم من علماء المسلمين وانكار	ہے، خوارج کا رجم کا انکار باطل ہے
الخوارج الرجم باطل لانهم	کیونکہ اگر وہ اجماع صحابہ کی حجیت کا
انكروا حجية اجماع الصحابة	انکار کریں تو وہ ایک دلیل قطعی کے
فجهل مركب بالدليل بل هو	ساتھ جہل مرکب ہے کیونکہ صحابہ کا
اجماع قطعي وان انكروا وقوعه	اجماع ، اجماع قطعی ہے اور اگر وہ
من رسول الله صلى الله عليه	اس بات کا انکار کریں کہ رجم رسول اللہ
وسلم لانكارهم حجية خبر	صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیونکہ وہ خبر
الواحد فهو بعد بطلانه	واحد کی حجیت کا انکار کرتے ہیں تو ان
بالدليل ليس مما نحن فيه	کی یہ بات دلیل سے باطل ہو چکے
لان ثبوت الرجم عن رسول	بعد خبر واحد سے نہیں کیونکہ رجم کا
الله صلى الله عليه وسلم متواتر	ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] بدایۃ المجتہد ص ۴۳۵ ج ۲

المعنى كشجاعة علیؓ وجود حاتم	سے علیؓ کی شجاعت اور حاتم کی سخاوت
والآحاد فی تفاصیل صورہ و	کی طرح متواتر ہے رجم کی تفاصیل
خصوصیاتہ اما اصل الرجم	اور جزئیات خبر واحد سے ثابت ہیں
فلا شک فیہ[1]	البتہ نفس رجم میں کوئی شبہ نہیں۔

شیخ ابن الہمام نے اس مختصر سی عبارت میں چند اہم نکات اٹھائے ہیں: (الف) رجم پر صحابہ و تابعین اور امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیہ کے علماء اور فقہاء کا اجماع و اتفاق (ب) رجم پر تواتر (ج) جو لوگ اس کے منکر ہیں وہ گویا اجماع اور تواتر کے منکر ہیں۔ (د) رجم کی تفاصیل اور جزئیات کے بارے میں اخبار آحاد ہیں اصل رجم پر تواتر معنوی ہے۔

علامہ آلوسی بغدادی اپنی بے نظیر تفسیر روح المعانی میں رقم فرماتے ہیں:۔

"صحابہ کرام، تابعین، ائمہ عظام، علماء امت سب کا اجماع ہے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے گا تا آنکہ وہ مر جائے، خوارج کا انکار باطل ہے کیونکہ اگر وہ صحابہ کے اجماع کا انکار کریں تو وہ یقیناً جہل مرکب ہے، اور اگر وہ رجم کا انکار اس بناء پر کرتے ہیں کیونکہ وہ خبر واحد کا انکار کرتے ہیں تو یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ رجم کا ثبوت تواتر معنوی سے ثابت ہے اور یہ لوگ بھی تواتر معنوی کو تواتر لفظی کی طرح حجت سمجھتے ہیں جس طرح کہ عام مسلمان سمجھتے ہیں لیکن صحابہ کرام سے ان کے انحراف اور علماء و راویان حدیث کے پاس ان کے کم آنے جانے نے ان کو بہت سی گمراہیوں میں ڈال دیا اسی لیے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ان لوگوں نے جب یہ کہا کہ رجم کتاب اللہ میں نہیں ہے تو عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ نمازوں کی رکعات اور زکوٰۃ کی مقدار بھی تو قرآن کریم میں نہیں ہے خوارج نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور مسلمانوں کے توارث سے ثابت ہے خلیفہ راشد نے فرمایا کہ رجم بھی اسی طرح ہے۔"[2]

---

[1] فتح القدیر ج ۵ ص ۱۳

[2] آلوسی بغدادی روح المعانی ص ۸۹ ج ۱۰

خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز کا خوارج سے جو مکالمہ ہوا ہے وہ بہت دلچسپ ہے اور ہمارے زمانہ کے خوارج، جو رجم کا انکار کرتے ہیں، کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ ابن قدامہ نے المغنی میں اس کو تفصیل سے نقل کیا ہے :

خوارج کے نمائندے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور خلیفہ راشد کے خلاف انہوں نے جو چارج شیٹ پیش کی اس میں رجم کا مسئلہ بھی تھا وہ یوں گویا ہوئے :

خوارج : قرآن کریم میں صرف جلد ہے، رجم نہیں ہے اسی طرح تم عورتوں کے لئے معذوری کے زمانہ کی نماز کی قضاء کے قائل نہیں ہو، روزے کی قضاء کے قائل ہو حالانکہ نماز روزہ سے زیادہ مؤکد ہے۔

عمر بن عبدالعزیز : کیا تم صرف قرآن کریم پر عمل کرتے ہو۔

خوارج : ہاں

عمر بن عبدالعزیز : قرآن کریم میں فرض نمازوں کی تعداد، نماز کے ارکان کی تعداد، نماز کے اوقات کہاں ہیں اسی طرح یہ کہ فلاں نماز میں اتنی رکعتیں ہیں فلاں میں اتنی قرآن کریم میں کہاں ہے، زکوٰۃ کس مال میں واجب ہوتی ہے اور کس میں نہیں، زکوٰۃ کی مقدار کتنی ہے؟ زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے۔ یہ سب قرآن کریم میں کہاں ہے۔

خوارج : ہمیں کچھ مہلت دیجئے۔

خلیفہ راشد نے مہلت دے دی ایک روز کے مشورے کے بعد حاضر ہوئے

خوارج : قرآن کریم میں تو یہ سب کچھ نہیں ہے۔

عمر بن عبدالعزیز : پھر تم ان کے کیسے قائل ہوئے۔

خوارج : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے ان پر عمل کیا۔

عمر بن عبدالعزیز : رجم پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا اور آپ کے

بعد خلفاء نے اس پر عمل کیا۔ معذوری کے زمانہ کے روزوں کے بارے میں بھی آپؐ نے قضاء کا حکم دیا، ازواج مطہرات نے اور آپ کے صحابہ کرام کی بیویوں نے روزے قضاء کئے [1]

اصل یہ ہے کہ رجم کے سلسلہ میں حسب ذیل نکات نہایت اہم ہیں:

(الف) تواتر و توارث

(ب) اجماع صحابہ

(ج) اُمت محمدیہ کا اتفاق اور ہر دور میں شادی شدہ زانی پر رجم کا اطلاق۔

یہ امور نہایت ہی قوی بلکہ قوی ترین، یہی وجہ ہے کہ خوارج کی رجم کے انکار کی وجہ سے تکفیر کی گئی۔

امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری اپنی بے نظیر کتاب "اکفار الملحدین" میں علامہ خفاجی کی "شرح الشفاء" سے نقل کرتے ہیں:

کتکفیر الخوارج بابطال الرجم	"رجم چونکہ متفق علیہ ہے لہٰذا ضروریات
للزانی والزانیۃ المحصنین	دین میں داخل ہے اسی لئے شادی شدہ
فانہ مجمع علیہ، مما ہو	مرد و عورت زانی کی سزا رجم کے انکار
معلوماً من الدین بالضرورۃ [2]	کی وجہ سے خوارج کی تکفیر کی جاتی ہے۔"

وفاقی شرعی عدالت کے جج صاحبان صرف منکرین حدیث، قادیانیوں اور خوارج کی طرف سے جج نہیں بنائے گئے ہیں۔ بلکہ اسلامیان پاکستان کے جج ہیں اور پاکستانی دستور کا ان حضرات نے حلف اٹھایا ہے جس میں کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کرنے کی ضمانت دی گئی ہے، اور اسلامیان پاکستان قرآن و سنت دونوں کو اپنے قانون کا ماخذ سمجھتے ہیں۔ کیا ان حضرات کو معلوم نہیں کہ سنت متواترہ کسے کہتے ہیں اور سنت متواترہ کے انکار اور اس میں تاویل کی کیا سزا ہے، اگر ان کو نہیں معلوم تو ہم بتلائے دیتے ہیں۔

امام غزالی کی "فیصل التفرقہ" سے مولانا انور شاہ نقل کرتے ہیں:

---

[1] ابن قدامہ، المغنی ج ۸ ص ۱۵۸ کتاب الحدود [2] محمد انور شاہ، اکفار الملحدین ص ۵۸

ولابد من التنبیه علی قاعدة	"ایک قاعدہ پر تنبیہ ضروری ہے وہ یہ کہ
اُخریٰ ، وھو ان المخالف قد	مخالف کبھی نص متواتر کا انکار کرتا ہے اور
یخالف نصاً متواتراً ویزعم انہ	اس میں ایسی تاویل کرتا ہے جو قریباً رد کر
مؤوِّل ولکن ذکر تاویلاً لا انقداح	دے اس پر اثرانداز نہیں ہوسکتی تو ایسے کر
لہ اصلاً فی اللسان لا علیٰ بُعدٍ	کی تکفیر کی جائے گی اور اس کو نص متواتر
لا قریب فلذلک کفر وصاحبہ	کا تکذیب کرنے والا سمجھا جائے گا اگرچہ
مکذب وان کان یزعم انہ مؤوِّل[1]	وہ خود کو تاویل کرنے والا سمجھے "

اب ہم مذکورہ نکات میں سے ایک ایک نکتہ کو حسب ترتیب سابق لیتے ہیں، تاکہ مسئلہ واضح ہوجائے

(الف) تواتر و توارث جیساکہ آپ علامہ ابن الہمام اور علامہ آلوسی بغدادی کے کلام میں پڑھ چکے ہیں کہ رجم کے بارے میں تواتر معنوی ہے، یعنی نفس رجم پر اس قدر کثیر روایات ہیں اور اتنے راویان حدیث اس کو بیان کرنے والے ہیں کہ اُن کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے تاہم رجم کی شرائط وکیفیات خبر واحد سے ثابت ہیں اسلئے تواتر معنوی کہا جاتا ہے تواتر معنوی کا امت کے کسی گروہ یا فرد نے بھی انکار نہیں کیا ہے۔ بلکہ سب اس کو حجت اور دلیل تسلیم کرتے ہیں ابھی آپ خوارج اور خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ کا مکالمہ پڑھ چکے ہیں اس کے بین السطور سے واضح ہے کہ تواتر معنوی کا ان سے بھی انکار نہ ہوسکا اور بادلِ ناخواستہ اس کے سامنے سرنگوں ہوگئے اور اپنی زبانوں پر مہر سکوت ثبت کرلی۔

اصل یہ ہے کہ حکمت الٰہی سے احکام اسلام میں تدریج و ترتیب نمایاں رہی یعنی سب کے سب احکام یکدم نہیں اتر گئے بلکہ واقعات کے مطابق احکام خداوندی نازل ہوتے رہے۔ یہ تو ہر عقلمند سمجھتا ہے کہ بدکاری سے زیادہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ نسب کا اختلاط، معاشرہ کی نجاست بداخلاقی کی انتہا، خاندانوں کی بے عزتی، حیوانیت پھر جبکہ شادی شدہ اس فعل کا ارتکاب کریں۔ غرض بدترین حرکت ہے اس لئے ناممکن تھا کہ اسلام جیسا مکمل و کامل دین اس کی سزا سے خالی

[1] محمد انور شاہ، اکفار الملحدین ص۵۸

ہو اس لئے اس کی سزا مع دوسرے شرائط و قیود بیان کی گئی لیکن اسی ترتیب و تدریج کے ساتھ جیسا کہ اسلامی احکام کا خاصہ ہے۔ ہجرت نبوی کے بعد سب سے پہلا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ یہودیوں کی بستی میں ایک مرد و عورت نے شادی شدہ ہونے کے باوجود اس فعل بد کا ارتکاب کرلیا، یہود تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کی فکر میں رہتے تھے، حضور کی خدمت میں آپہنچے اور جھٹ سے سوال کردیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ بتلایا گیا کہ تورات میں اس سلسلہ میں رجم مذکور ہے لیکن یہود نے اس سزا کو تبدیل کر دیا ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور حدیث کی صحیح و معتبر کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ	"اور یہ لوگ آپ کو کس طرح منصف
التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللّٰهِ	بنائیں گے جبکہ ان کے پاس توریت ہے
ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ	جس میں اللہ کا حکم (رجم) موجود ہے
وَمَا أُولٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ۔	پھر اس کے بعد منہ موڑتے ہیں اور وہ
	ہرگز ماننے والے نہیں"

اس آیت کے ذیل میں بغوی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خیبر کے ایک یہود مرد اور عورت نے جو کنوارے نہ تھے زنا کیا۔ باوجودیکہ توریت میں اس جرم کی سزا رجم تھی مگر ان دونوں کی بڑائی مانع تھی کہ یہ سزا جاری کی جائے۔ آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ یہ شخص جو یثرب میں ہے ان کی کتاب میں زانی کے لئے رجم کا حکم نہیں ہے (کیونکہ اس وقت تک شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ میں زنا کا حکم اترا ہی نہیں تھا جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا) اس لئے ان کو حَکَم مقرر کرلینا چاہیئے آپ کو وحی کے ذریعہ سب کچھ بتلا دیا گیا اس لئے آپ نے فرمایا کہ تم میرے فیصلہ پر رضامند ہوگے انہوں نے اقرار کیا، آپ نے رجم کا حکم بتلایا، وہ لوگ اس سے پھر گئے۔ آخر حضور نے فرمایا کہ فدک کا رہنے والا ابن صوریا تم میں کیسا شخص ہے سب نے کہا کہ آج روئے زمین پر شرائع موسویہ کا اس سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ آپ نے اس کو بلوایا اور نہایت شدید حلف دے کر پوچھا کہ توریت میں اس گناہ کی سزا کیا ہے باوجودیکہ دوسرے یہود اس حکم کو چھپانے کی کوشش

کر رہے تھے جس کا پردہ حضرت عبداللہ بن سلام کے ذریعہ سے فاش ہو چکا تھا تاہم ابن صوریا نے جو ان کا مسلّم و معتمد تھا کسی نہ کسی وجہ سے اس کا اقرار کر لیا کہ بیشک توریت میں اس جرم کی سزا رجم ہی ہے بعدہٗ اس نے سب حقیقت ظاہر کی کہ کس طرح یہود نے رجم کو حذف کر کے یہ سزا رکھ دی کہ زانی کو کوڑے لگائے جائیں اور کالا منہ کر کے اور گدھے پر الٹا سوار کر کے گشت کرایا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پر توریت کے حکم کے مطابق رجم کی سزا جاری فرمائی۔ یہ واقعہ کب کا ہے اس کے متعلق مولانا انور شاہ، قسطلانی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ واقعہ ۴ھ ہجری کا ہے[1] اس کے بعد سورۂ نساء کی مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنْكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا۔	"اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مردا پنوں سے پھر اگر وہ گواہی دیں تو بند رکھو اُن عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اُٹھا لیوے اُن کو موت یا مقرر کر دے اللہ ان کے لئے کوئی سبیل ....

اس سے پہلی آیت جو ہم نے نقل کی اُس میں "حکم اللہ" سے مراد اور اس آیت کریمہ میں "سبیل" سے مراد رجم ہی ہے جو لوگ قرآن کریم میں "رجم" کا انکار کرتے ہیں وہ ایک بہت بڑی حقیقت کا انکار کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی مجملات کے بیان کرنے والے ہیں۔ آپ کا منصب ہی یہ بیان کیا گیا ہے کہ لتبین للناس ما نزل الیھم یعنی قرآنی مجملات کی تبیین و تعیین۔ اور ایک عام عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ بیان، مبین سے علیحدہ ہوتا ہے۔

[1] انور شاہ: العرف الشذی باب رجم المحصن

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "سبیل" کی تشریح فرمائی کہ اس سے مراد شادی شدہ زانی کیلئے رجم اور غیر شادی شدہ کے لئے جلد ہے جیساکہ صحیح ترین احادیث میں وارد ہے۔ اسی کے ساتھ ہی ساتھ شادی شدہ زانی کے لئے رجم اور غیر شادی شدہ زانی کے لئے جلد کی سزا قرآن کریم میں نازل ہوئی۔ جلد کی سزا سورۂ نور میں نازل ہوئی۔ سورۂ نور کا زمانۂ نزول ۵ھ ہجری کے بعد کا ہے اس کے لئے قرینۂ واضحہ موجود ہے کہ واقعہ افک محدثین و مؤرخین کے قول صحیح کے مطابق "غزوۂ مریسیع" میں پیش آیا تھا اور یہ غزوہ ۵ھ یا اس کے بعد کا ہے۔

علامہ نووی نے اپنی بے نظیر کتاب الاسماء واللغات[1] میں حضرت عائشہ صدیقہ کی والدہ ماجدہ اُم رُومان کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ اُم رُومان کی وفات غزوۂ مریسیع کے بعد ہوئی وہ واقعہ افک میں موجود تھیں اس کے متعلق حدیث وسیرت کی ناقابل تردید شہادتیں موجود ہیں امام موصوف نے غزوۂ مریسیع کو ۵ھ ہجری یا اس کے بعد تحریر فرمایا ہے غرض جلد اور رجم کی سزائیں وحی متلو سے نازل ہوئیں۔ جلد کی سزا قرآن کریم میں تلاوت و عمل دونوں اعتبار سے باقی رکھی گئی اور رجم کی سزا تلاوت کے اعتبار سے اٹھالی گئی تاہم تواتر معنوی اور عمل کے اعتبار سے باقی رکھی گئی، رجم کی سزا تلاوت کے اعتبار سے کیوں اٹھائی گئی اور اس کی حکمت کیا تھی، شریعت مطہرہ کے حکم اور مصالح سے ناآشنا لوگ اور کوری عقل کے پرستار اس کو کیا سمجھ سکتے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی جو اس فن کے شناور اور اس بحر بے کنار کے غواص ہیں، ان سے پوچھئے، موصوف فرماتے ہیں:

> " اس قدر سننا چاہیئے کہ بعض وقت ہول و خوف مضمون اس وحی کا مقتضی ہوتا ہے کہ بار بار کان اس کو نہ سنے جیسے کہ اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا یعنی شادی شدہ مرد اور عورت جس وقت زنا کریں پس سنگسار کرو تم ان کو کہ اس میں بیان سخت تر عذاب کا ہے[2]"

حضرت شاہ صاحب نے ایک بڑی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے حضرت کے فرمان کا

---

[1] الاسماء واللغات جلد ۳ [2] تفسیر عزیزی اردو ترجمہ ص ۶۸۳

خلاصہ یہ ہے کہ جب ایک مرد و عورت جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل و خرد ہوش و حواس کی نعمتوں سے سرفراز کیا ہو پھر اس کے ساتھ اسلام و ایمان کی نعمت بے بدل عطا کی ہو بایں ہمہ وہ دونوں لذتِ ازدواج چشیدہ اور اس سے آشنا ہوں پھر وہ حرکت قبیحہ کا ارتکاب کریں یہ امر عقلاً مستبعد اور بعید از قیاس ہے کیونکہ ان پر ظاہری اور باطنی نعمتیں اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں اسی لئے ان نعمتوں کے مقابلہ میں اس کو سزا بھی اس قدر شدید دی گئی جس کا تصور بھی روح فرسا اور کربناک ہے یعنی اس کو پتھر مار مار کر ختم کر دیا جائے۔ ایسا شخص جو ان نعمتوں سے سرفراز ہو اور یہ اس کمینی حرکت کا ارتکاب کرے اور اس پر اس قدر سخت سزا' اس کا تذکرہ اُس کتاب عظیم میں جس کا پہلا مقصد تلاوت اور بار بار کی تلاوت ہے، مناسب نہیں، اس لئے حکمت الٰہی مقتضی ہوئی کہ اس کو تلاوت سے تو حذف کر دیا جائے البتہ اس جرم کبیر پر سزا کو برقرار رکھا جائے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ جلد اترنے کے بعد چار موقعوں پر رجم کا حکم صادر کرنے کے بعد اس حکم کی تاکید اور توثیق فرمادی ان چار واقعات کی تفصیل کتب حدیث میں اسانید صحاح کے ساتھ موجود ہے منکرین رجم کا یہ بیان کہ رجم کے واقعات آیتِ جلد کے نازل ہونے سے قبل کے ہیں مبنی بر حقیقت نہیں ہے بلکہ کذب اور افترا کا مجموعہ ہے۔ یہ لوگ تاریخ سے کوئی شہادت پیش نہیں کر سکے بلکہ تاریخ اور حدیث کی شہادت ان کے خلاف ہے۔ علامہ حازمیؒ جو ناسخ و منسوخ کے اور حدیث و تاریخ کے امام ہیں رقم فرما ہیں:

وقد روی حدیث ماعز نفر من احداث الصحابة نحو سهل بن سعد و ابن عباس وغيرهما ورواه ايضا نفر تأخر اسلامهم[1]

"ماعز اسلمی کی حدیث کو سہل بن سعد عبداللہ بن عباس اور دوسرے نوعمر صحابہ نے بیان کیا اسی طرح ایسے حضرات نے جن کا اسلام موخر ہے"

ماعز اسلمی کے واقعہ رجم کو بیان کرنے والے صحابہ کرام سہل بن سعد، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، ہیں جبکہ اول الذکر دونوں صحابہ نوعمر صحابہ ہیں اور ثانی الذکر متاخر الاسلام صحابی ہیں

---

[1] الاعتبار للحازمی ص ۲۰۳

یعنی ان کا اسلام ۷ھ سنہ ہجری میں ثابت ہے اس لئے یہ واقعہ تقریباً ۷ھ سنہ ہجری یا اس کے بعد کا ہے ۔ اسی طرح امرأۃ جہینہ یا غامدیہ کا واقعہ بھی ۶ھ سے پہلے یا ۷ھ کے آخر کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس واقعہ کی تفصیلات میں یہ جزء بھی ملتا ہے کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کے جب ایک پتھر مارا تو ان کی پیشانی سے خون کا فوارہ بہہ نکلا ، اس پر حضرت خالد نے ان کو بُرا بھلا کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو سختی سے منع کیا اور اس خاتون کی جرأت ایمانی اور اس قدر سخت سزا کے لئے خود کو پیش کرنے کی تعریف و توصیف فرمائی اور اس کی نجات کی بشارت دی ، ابوداؤد میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے ۔ اور حضرت خالد بن الولید ۶ھ کے بعد اسلام لائے ہیں ، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت خالد کفار کے کیمپ میں موجود تھے اور مسلمانوں کو مکہ سے روکنے کے لئے سواروں کا ایک دستہ لیکر آئے تھے (بخاری کتاب الشروط)

منکرین رجم اس موقعہ پر حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں ۔ حدیث یہ ہے :

عن الشیبانی قال سألت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ عن الرجم قال رجم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت أقبل النور ام بعدہ قال لا ادری [1]

" شیبانی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے رجم کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا میں نے پوچھا سورۂ نور سے پہلے یا بعد میں موصوف نے فرمایا مجھے نہیں معلوم "

اس روایت سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں کہ رجم کے واقعات آیت جلد کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں ۔ پہلی بات تو حدیث مذکور میں یہ ہے کہ اس روایت میں صحابی نے جزم و یقین کے ساتھ کچھ نہیں فرمایا اور قرائن واضحہ گذشتہ سطور میں بیان کئے جا چکے ہیں جس سے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ رجم کے واقعات سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد کے ہیں ، لاعلمی کے مقابلہ میں علم زیادہ راجح

[1] بخاری ص ۱۰۱۱ ج ۲ کتاب المحاربین والمرتدین

ہے دوسری بات یہ ہے کہ یہاں رجم کے مذکورہ بالا چار واقعات کے بارے میں نہیں پوچھا جا رہا ہے بلکہ یہودی اور یہودیہ کے رجم کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے کہ یہ واقعہ سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے پیش آیا یا اس کے بعد تو اس کے جواب میں صحابی نے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس روایت کو امام بخاریؒ اہل کتاب کے رجم میں لائے ہیں چنانچہ امام موصوف نے اپنی صحیح میں باب قائم کیا ہے باب احکام اہل الذمۃ واحصانھم اذا زنوا ورفعوا الی الامام۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں "قبل النور" کے بجائے قبل المائدۃ کے الفاظ آئے ہیں، مسند احمد بن منیع میں یہ لفظ ہیں فقلتُ بعد سورۃ المائدۃ او قبلھا[1] مطلب یہ تھا کہ سورۂ مائدہ میں یہ آیت موجود ہے وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللهِ آیت کریمہ کی موجودگی میں کس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت حَکَم اُن کو رجم کرنے کا حکم دیا گویا سائل نے آپؐ کی تحکیم کو مستبعد جانا تو صحابی نے اپنی لاعلمی ظاہر کی، تیسرا امر یہ کہ حضرت عبداللہ، یہود کے اس واقعہ پر موجود نہیں تھے اور نہ اسلام لائے تھے وہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر اسلام لائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسفار و مغازی میں سب سے پہلے حدیبیہ میں شریک ہوئے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وشھد عبد اللہ الحدیبیۃ وروی احادیث شھیرۃ ثم نزل الکوفۃ سنۃ ست او سبع وثمانین وجزم ابو نعیم فیما رواہ البخاری عنہ سنۃ سبع وکان اٰخر من مات بھا من الصحابۃ۔[2]	"حضرت عبداللہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر موجود تھے انہوں نے مشہور احادیث روایت کیں پھر ۸۶ھ یا ۸۷ھ میں کوفہ میں قیام پذیر ہوئے ابونعیم نے ۸۷ھ پر جزم کیا ہے صحابہ میں کوفہ میں سب سے آخر میں وفات پائی۔"

عبداللہ بن ابی اوفی کے لاعلمی ظاہر کرنے کی وجہ واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ وہ یہود کے

---

[1] عمدۃ القاری بحوالہ حاشیہ بخاری ص ۱۰۱۱ ج ۲ [2] الاصابۃ ص ۲۷۱ ج ۳

اس واقعہ کے وقت اسلام ہی نہیں لائے تھے ۔ علاوہ ازیں منکرین رجم ایک محتمل روایت سے تو استدلال کرتے ہیں ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صریح ان کی نگاہوں سے کیوں اوجھل ہو جاتی ہے ، صحیح بخاری میں ہے :

ان اللہ بعث محمداً صلی اللہ	" بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ
علیہ وسلم بالحق وانزل	وسلم کو حق دیکر مبعوث فرمایا اور
علیہ الکتاب فکان مما	آپ پر کتاب نازل کی رجم کی آیت بھی
انزل اللہ آیۃ الرجم فقرأناھا	اتاری ہم نے اس کو پڑھا اور سمجھا اور
وعقلناھا ووعیناھا رجم	یاد رکھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و	نے رجم کیا اور ہم نے آپ کے بعد رجم
سلم ورجمنا بعدہ فاخشیٰ	کیا ۔ مجھے ڈر ہے کہ کچھ عرصہ گذر جانے
ان طال بالناس زمان ان	کے بعد کوئی کہنے والا کہے کہ ہم آیت
یقول قائل واللہ مانجد	رجم اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے تو یہ
آیۃ الرجم فی کتاب اللہ	لوگ اللہ کے ایک فریضہ نازل شدہ
فیضلوا بترک فریضۃ انزلھا	کے چھوڑنے سے گمراہ ہو جائیں گے
اللہ تعالیٰ والرجم فی کتاب	رجم ، اللہ کی کتاب میں حق ہے زانی
اللہ حق علی من زنیٰ اذا	پر جبکہ وہ محصن ہو خواہ وہ مرد ہو یا
احصن من الرجال والنساء	عورت جبکہ ثبوت موجود ہو یا
اذا قامت البینۃ او کان	حمل ہو یا اقرار ہو "
الحبل او الاعتراف [1]	

حضرت فاروق اعظم کی ایک طویل تقریر کا ایک ٹکڑا ہے جو موصوف نے اپنی خلافت کے آخری حج سے واپسی پر دیا جس میں تمام صحابہ کرام موجود تھے ۔ دوسری ناقابل تردید سیرت و

---

[1] صحیح بخاری ۱۰۰۹ ج ۲

حدیث کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خطبہ میں عہد فاروقی کے فوجی کمانڈر اور اہم شخصیتیں موجود تھیں اور اس خطبہ کے چند ہی دن کے بعد فاروق اعظم اپنے رب سے جا ملے، منکرین رجم اس موقعہ پر بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ دیکھو یہ مولوی لوگ فاروق اعظم پر کتنا بڑا الزام لگاتے ہیں کہ آیت رجم قرآن میں موجود ہے حالانکہ حضرت فاروق اعظم کا مقصد یہ تھا کہ آیت رجم قرآن میں نازل ہوئی تھی لیکن اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور اس کا حکم باقی رہ گیا حضرت کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ وہ آج بھی قرآن میں موجود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ بلیغہ کے الفاظ "رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہ" تسلسل رجم کو بیان کر رہا ہے، کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی رجم جاری رہا، رجم کی سزا میں کبھی بھی انقطاع نہیں ہوا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی رجم جاری رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی رجم کے واقعات ملتے ہیں، ہمدانی خاتون شراحہ کا واقعہ سیرت وحدیث کی تمام کتابوں میں موجود ہے، راقم کے سامنے اس وقت حدیث کی معتبر کتاب مصنف عبدالرزاق موجود ہے اس کے ص ۳۲۶ ج ۷ پر یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں دوسرے واقعات بھی ملتے ہیں مثلاً ایک واقعہ:

ان امرأۃ جاءت الی علی فقالت	ایک عورت حضرت علیؓ کی خدمت میں آئی اور
ان زوجھا وقع علی جاریتھا	شکایت کی کہ اس کے شوہر نے اس کی لونڈی کے
فقال ان تکونی صادقۃ نرجمہ[1]	ساتھ بدکاری کی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر تو
✓ ✓ ✓ ✓ ✓	سچی ہے تو ہم اسے رجم کریں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے دوسرے واقعات کہ شادی شدہ کے لئے رجم اور غیر شادی شدہ کے لئے جلد متعدد روایات سے ثابت ہے تفصیل کے لئے دیکھئے مصنف عبدالرزاق از ص ۳۰۴ تا ص ۳۰۶۔

پھر تابعین، تبع تابعین کے زمانہ بھی یہی تسلسل جاری رہا، ابن شہاب زہری مشہور تابعی

---

[1] مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۳۰۰

ہیں اُن کا فتویٰ محدث عبدالرزاق نے نقل کیا ہے :

فحد المحصن الرجم اذا کان حراً [1] " شادی شدہ کی حد رجم ہے اگر وہ آزاد ہو۔"

یہی وجہ ہے کہ رجم پر امت کا اجماع واتفاق ہے اور خوارج کے علاوہ کسی متنفس نے کسی دور میں اس سے اختلاف نہیں کیا۔ حافظ ابو محمد بن حزم نے " مراتب اجماع " کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ان اجماعیات کو ذکر کیا ہے جن کے انکار سے کفر لازم آتا ہے رجم کو امام موصوف نے ان ہی اجماعیات میں داخل کیا ہے ، فرماتے ہیں :

اتفقوا انہ اذا زنیٰ کما ذکرنا	" تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر
وکان قد تزوج قبل ذلک	کوئی شخص بدکاری کا ارتکاب کرے
وھو بالغ مسلم حرٌ عاقل	اسی طریقہ سے جس کو ہم نے بیان کیا ہو
حرۃً مسلمۃً بالغۃً نکاحاً	اور اس سے قبل وہ نکاح کر چکا ہو اور
صحیحا وطئھا	وہ بالغ مسلمان آزاد ہو کسی آزاد مسلم
ان علیہ الرجم [2]	بالغہ عورت سے نکاح صحیح اور اس سے
	ہمبستری بھی کر لی تو اس پر رجم ہے ۔

---

[1] ص ۳۰۶ ج ۷ [2] مراتب الاجماع